© rasailojaraid.com

دربارِ نبوت کی حاضری

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، تصنیف وتحریر کا جو ذوق بارگاہِ خداوندی سے آپ کو عطا ہوا ہے، وہ جداگانہ اور منفرد ہے، جس کا مشاہدہ آپ کی تصانیف کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ زیر نظر تحریر ایک سفر نامہ ہے، جو آپ نے حج بیت اللہ سے واپسی پر تحریر کیا تھا۔ سفر نامہ کیا ہے؟؟ ...... بقول مولانا سید ابو الحسن ندویؒ: ''حج کے سفر نامے اور مدینہ طیبہ حاضری کی رودادیں تو اردو میں بہت ہیں اور ایک سے بڑھ کر ایک، دل چسپ اور پُر از معلومات، مفید اور سفر کرنے والوں کے لیے ضروری، لیکن یہ البیلا طرز بیان اور یہ عاشقانہ ومستانہ داستان آپ کو ہر جگہ نہیں ملے گی، کہ یہ مولانا کا طرز خاص ہے اور کم سے کم اس موضوع کے لیے یہ طرز ضروری، مناسب اور مفید ہے کہ شوق انگیز بھی ہے اور ولولہ خیز بھی اور اسی کے ساتھ علم آموز بھی اور خیال افروز بھی'' ...... حضرت کا یہ دل چسپ سفر نامہ قارئین وفاق کے ذوقِ ادب کی تسکین کے لیے پیش ہے .... (ادارہ)

دن تو کچھ غسل اور بھپھارے وغیرہ کی اصطلاحی مشغولیتوں میں گزرا، بڑی خنک اور لطیف تھی وہ رات جو اس جزیرے میں غروب آفتاب کے بعد ہمارے سامنے آئی، یاد پڑتا ہے کہ چاندنی بھی غالباً تھی، تنہائی جب کبھی رات کی اس تاریکی میں میسر آجاتی تھی پھر نہ پوچھئے کہ اس جزیرے کے بالو اور ریت کو کس کس چیز پر ڈالتا تھا۔ ''خاک بر سر کن'' غم کے موقع کا فعل ہے لیکن آج غایت مسرت ونشاط میں اسی فعل کا اعادہ کرایا جا رہا تھا، کامران کی ٹھنڈی منور ہماری یہ رات گزر گئی، صبح کو آفتاب نکلنے کے بعد غالباً دوسرے دن ہم لوگ اسی جہاز پر واپس کر دیئے گئے جس سے اتارے گئے تھے، قرنطینہ کی جگہ کامران میں ساحل کے کنارے تھی، کچھ سرکاری مکانات بنے ہوئے تھے، انگریزی حکومت کی طرف سے کچھ حکام یہاں مسلط تھے، بظاہر آبادی اندرون جزیرے میں تھی جس کے دیکھنے کا موقع نہ ملا، غالباً اسی آبادی سے انڈے مرغی اور ضرورت کی دوسری چیزیں لے کر اعراب جزیرۃ قافلہ میں آئے ہوئے تھے، سب سے زیادہ حیرت اس پر ہوئی کہ اناناس کے مربے کے بند ڈبے اس جزیرہ میں ۴ یا اس کے قریب ارزاں قیمت پر مل رہے تھے، لوگوں نے خوب لیا اور کھایا، غالباً فرانس میں یہ ڈبے پیک کئے گئے تھے اور اس جزیرے تک میں اتنے ارزاں داموں پر وہ فروخت ہو رہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، خیال آتا ہے کہ انگریزی حکومت کی طرف سے طبی محکمہ کے افسروں میں ایک نوجوان عورت بھی تھی، اجنبی مردوں کے ساتھ اس لیڈی ڈاکٹر کو رہنے سہنے کی اجازت جن ماں باپ نے دے رکھی تھی ان پر افسوس ہوا، مگر ناموس کا مسئلہ جن قوموں میں کسی حال میں بھی محلِ افسوس باقی نہیں رہا ہے، ان پر افسوس کرنے والے ہی شاید مستحق افسوس ہوں!!

☆......☆......☆

جہاز میں پھر لوگ سوار ہو گئے، وہی پانی اور آسمان کا بسیط نظارہ پھر سامنے تھا، دن کے وقت کبھی کبھی نظارے کی اس بساط میں ان مچھلیوں کی وجہ سے جنبش پیدا ہو جاتی تھی، جو چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی مانند ہزاروں کی تعداد میں جہاز کے ساتھ ساتھ اڑتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں، وہ مچھلیاں اڑیں گی تو کیا؟ دراصل مل کر ایک جگہ سے پھاند کر دوسری جگہ پہنچتی تھیں۔

بحر احمر جس کا نام دریائے قلزم بھی ہے، جدہ کا ساحل اسی سمندر کے کنارے ہے، اس کے تنگ ترین دہانہ باب المندب سے جہاز ٹھیک صبح کے وقت پاس ہو رہا تھا۔ عدن کے دیکھنے کے موقعہ نہ ملا، شاید رات کو گزر گیا، یا جہاز اس کے قریب نہ ہوا۔

اسی عرصے میں اچانک جہاز میں ایک نیا چرچا شروع ہوا، لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ "یلملم" کا میقات (جہاں سے حجاج احرام باندھتے ہیں) اب آنے والا ہے، سمندر ہی میں جہاز یلملم کے سامنے آجائے گا، جہاز میں گھنٹی بجے گی اور لوگ احرام باندھنے میں مشغول ہو جائیں گے، معلوم ہوا کہ یلملم کا پہاڑ جہاز سے نظر نہیں آتا، جہاز کا کپتان اپنے نقشہ کی بنیاد پر مطلع کرتا ہے، خاکسار ان باتوں کو سن رہا تھا، دل میں ایک خیال تھا، اسے اب تک دبائے چلا جا رہا تھا، لیکن اب وقت آگیا کہ فیصلہ کیا جائے۔ عام طور پر

﴿ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما﴾

"اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اگر تمہارے پاس (اے پیغمبر) آئیں اور اللہ تعالیٰ سے گناہ کی مغفرت طلب کریں اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کے لئے مغفرت کے طلب گار ہوں گے تو پائیں گے وہ اللہ کو قبول کرنے والا بڑا مہربان۔" (النساء)

کی قرآن آیت کی تلاوت اس وقت لوگ کر دیتے ہیں، جب مدینہ منورہ کی حاضری کا مسئلہ چھیڑا جاتا ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری کے مسئلے کا استنباط اس قرآنی نص سے سب سے پہلے کس نے کیا؟...... لیکن اس استنباط کو غیر معمولی حسنِ قبول حاصل ہوا، گویا اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ (آئیں تمہارے پاس) کا یہ مطلب کہ اس کا تعلق صرف اسی زمانے کے ساتھ محدود نہیں ہے جب روضۂ اطہر سے باہر مدینہ منورہ میں آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما تھے، بلکہ روضۂ اطہر میں عزلت گزیں ہو جانے کے بعد بھی خدمت مبارک میں جو حاضر ہوگا وہ استغفار کے اس قرآنی دستاویز سے مستفید ہو سکتا ہے، تو اب اس مطلب کی حیثیت ایک اجتماعی مسئلہ کی ہے، فقد و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث اور مناسک کی ہر وہ کتاب جس میں کسی نہ کسی حیثیت سے مدینہ منورہ کی حاضری کا تذکرہ کیا گیا اس میں اسی اجتماعی تفسیر کے ساتھ اس قرآنی نص کے درج کرنے کا عام رواج ہے۔

اسی اجتماعی "تفسیر" نے شاید اسی زمانہ میں جب سفر حجاز کی نیت کر چکا تھا، قرآن ہی کی دوسری آیت یعنی:

﴿واذا جاءك الذين يؤمنون بآياتنا فقل سلام عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة انه من عمل منكم سوءً بجهالة ثم تاب من بعده واصلح فانه غفور رّحيم﴾

"اور جب آئیں تمہارے پاس وہ لوگ جو مانتے ہیں ہماری آیتوں کو، تو کہو سلام ہو تم پر، واجب کیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر مہربانی کو (یہ کہ) جو کرے تم میں سے کوئی بری بات نادانی سے پھر پلٹ پڑے (یعنی توبہ کرے) اس کے بعد اور سنور جائے تو وہ بہت بڑا بخشنے والا بہت بڑا مہربان ہے۔" (الانعام)

سے یہ احساسات قلب میں پیدا ہوئے کہ اس نص قطعی کی رو سے یہ یقینی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "السلام علیکم" کی دعا ہر اس شخص کو میسر آتی ہے جو ایمان کے ساتھ آستانہ نبوت کبریٰ پر حاضری کی سعادت حاصل کرتا ہے اور یہ خبر بھی براہ راست اللہ کے آخری رسول رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے اس کو پہنچائی جاتی ہے کہ توبہ و اصلاح کے بعد اپنے مالک کو وہ غفور (بہت بڑا بخشنے والا) اور رحیم پائے گا۔

سورۃ النساء کی پہلی آیت ہی کے مضمون کا اعادہ "الانعام" کی اس آیت میں اس اضافے کے ساتھ کیا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "سلامتی" کی دعا بھی قطعی طور پر ہر وہ مومن حاصل کرتا ہے جو بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتا ہے۔

امتی سلام عرض کرتا ہے، لیکن برگشتہ بخت سیہ کاروں کو اس سلام کا جواب بھی دیا جاتا ہے، اب تک تو حدیثوں ہی سے اس کا ظنی علم پیدا ہوتا تھا مگر سورۃ الانعام کی اس آیت نے اس ظنی علم کو قطعی اور یقینی بنا دیا۔

اس راہ کے بعض خاص افراد سے جہاز ہی میں اپنے اس اندرونی احساس کا اظہار بھی کیا اور ان ہی سے مشورے ہونے لگے کہ حج جیسی اہم عبادت میں مشغول ہونے سے پہلے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ سلامتی کی قرآنی ضمانت مدینہ منورہ پہنچ کر حاصل کر لی جائے، ایک سے آگے بڑھ کر بات دو تک اور دو سے تین تک پہنچی، ہمارا قافلہ اکیس آدمیوں کا تھا، فقہاء کا مسئلہ بھی بتا دیا گیا کہ فرض حج میں ان کا فتویٰ یہی ہے کہ "حج کے بعد زیارت کے لئے مدینہ جانا زیادہ مناسب ہے، البتہ نفلی حج میں اختیار ہے، حج و زیارت میں سے جسے چاہے پہلے ادا کرے۔" فقہ اور مناسک کی عام کتابوں میں یہی مسئلہ پایا جاتا ہے، بعض فقیہ الطبع بزرگوں پر فقیر بے نوا کا مشورہ کچھ گراں بھی گزرا۔ "صوفیت کی رگ پھڑک اٹھی ہے۔" مجھ غریب ملا پر یہ طنز بھی کیا گیا، مگر رفتہ رفتہ ملائیت پر صوفیت غالب آئی اور اکیس آدمیوں کے اس قافلے نے یہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طے کیا کہ بجائے اس مقام کے جہاں فرنگی کپتان کی راہنمائی میں احرام باندھا جائے گا، حج کا احرام ذوالحلیفہ میں اسی جگہ ان شاء اللہ باندھا جائے گا، جہاں نسل انسانی کے سب سے بڑے حاجی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ''الحج'' جو ایک مستقل مطلوبہ ومفروضہ عبادت ہے اس کے ساتھ ''زیارت'' کے مسئلے کا تذکرہ محض اس لئے کتابوں میں کر دیا جاتا ہے کہ مکہ معظمہ پہنچنے والے کے لئے مدینہ منورہ تک رسائی نسبتاً آسان ہو جاتی ہے، ورنہ سچی بات یہ ہے کہ بجائے ''مدینہ منورہ'' کے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ طیبہ اگر مکہ سے ہزاروں میل دور کسی علاقے میں ہوتا تو الحج کے ساتھ ''الزیارت'' کے ذکر کا خیال بھی کسی کو نہ ہوتا، کیونکہ ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایسا تعلق جو مثلاً وضو کا نماز سے، یا نماز کی مسنونہ دعاؤں کو نماز سے ہے۔ ''حج'' اپنی ایک مستقل عبادتی حقیقت رکھتا ہے اور آستانہ نبوت کبریٰ پر کسی مرے ٹوٹے گرے پڑے امتی کی حاضری اس کی نوعیت ہی دوسری ہے۔

مگر کتابوں میں ''حج وزیارت'' کے تذکرہ کا اتفاقی اجتماع، فتنوں کا سبب بن گیا، آج شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو اس قسم کی باتیں منسوب کی جاتی ہیں، بڑے بڑے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ شیخ الاسلام کہتے تھے کہ:

''رسول اللہ کے روضہ کی زیارت ثواب کے کاموں میں نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے (یعنی زیارت کے لئے مدینہ جانا ثواب نہیں گناہ ہے)۔''

یا اس کے برعکس بعض مدہوشوں سے سننے میں آیا کہ ''ہمارے حج کا قبلہ وکعبہ مکہ میں نہیں، مدینہ میں ہے'' اور کسی غالی گمراہ شاعر نے کہا ہے:

نجف مرا مدینہ ہے، مدینہ ہے میرا کعبہ ۔۔ میں بندہ اور کا ہوں، امت شاہ ولایت ہوں

یہ سارے قصے محض اس سے پیدا ہوئے کہ زیارت کا ربط حج کے ساتھ جوڑ دیا گیا، حالانکہ یہ ایسی بات ہے کہ رمضان کے مہینے میں عموماً زکوٰۃ دینے کے لوگ عادی ہیں، تو محض اسی بنیاد پر سوال اٹھا دیا جائے کہ روزہ رکھ کر زکوٰۃ ادا کرنا بہتر ہے، یا زکوٰۃ ادا کر کے روزہ رکھنے میں زیادہ خوبی ہے۔

بہر حال فقہاء نے جو کچھ لکھا تھا، وہ بھی سنا دیا گیا اور ساتھ ہی دل میں جو خیال تھا، کب تک دبتا، اسے ظاہر ہی کرنا پڑا، ہمارے رفقاء کی مہربانی تھی کہ ترک رفاقت پر آمادہ نہ ہوئے، خصوصاً ہوش وحواس رکھتے ہوئے جن بزرگوں نے ایک دیوانے کے مجنونانہ مشورہ کے ساتھ ہم نوائی کی، دل ان کے اس کرم کا اب بھی ممنون ہے۔

بہر حال عجب تماشا تھا، فرنگی کپتان نے گھنٹی بجائی کہ نادیدہ یلملم کے سامنے تمہارا جہاز آ گیا اور لوگ احرام باندھنے میں مصروف ہو گئے، صرف چند دیوانے اور ان کے ساتھ کچھ ہوش والے بھی تھے جو احرام باندھنے والوں کو حسرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے، دیکھئے ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے؟!...... بیچ میں ایک اعتدالی راہ بھی پیش ہوئی کہ عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ حاضر ہو کر زیارت کے لئے مدینہ چلے جائیں اور حج کے موسم میں مکہ معظمہ پھر واپس ہو جائیں، مگر فقہاء نے لکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا کہ ''اشہرِ حج میں مکہ پہنچنے کے بعد حج کرنے سے پہلے مدینہ نہ جانا چاہئے۔''

پورا جہاز احرام کے لباس میں تھا، بجز ان چند حواس باختوں کے جو ساحل جدہ پر عام رواجی غیر احرامی لباس میں اترے تھے، ابھی ایک مہینہ سے زیادہ مدت موسم حج کی آمد میں باقی ہے، اس مدت کو گزارنے کے لئے (۲۱) آدمیوں کا یہ قافلہ جدہ سے براہ موٹر سیدھے مدینہ منورہ روانہ ہوگیا، ایک ہی لاری میں سب کو جگہ مل گئی۔

لاری کس حال میں چلی، بس عجب حال تھا، وہ منزل جو اونٹوں پر تیرہ چودہ دنوں میں پوری ہوتی تھی، شاید ڈیڑھ دو دن میں پوری ہوگئی، راستہ میں شدت تمازت کی وجہ سے اور رات کی تاریکی کی وجہ سے غالباً دو تین جگہ اترنا پڑا، ایک منزل کا بیر حصانی (حسانی) نام یاد رہ گیا ہے، اس لئے یاد رہ گیا ہے کہ رات کو اس منزل کے خس پوش جھونپڑے میں قیام تھا، ایک مقامی عرب میرے قریب آیا، عربی میں خطاب کا جواب پا کر مانوس ہوا، باتیں کرنے لگا: پوچھا گیا کہ سعودی حکومت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے، اس نے جو کچھ کہا تھا حاصل اس کا شاید یہی تھا کہ:

> ''سعودی حکومت کے آنے سے پہلے ہم حج کے راستے میں رہنے والے بدوؤں کا کام صرف رہ زنی، چوری، مردم کشی، قتل وغارت کے سوا اور کچھ نہ تھا، سعودی حکومت نے بحمد اللہ ہماری مردہ انسانیت کو زندہ کردیا، اب ہم آدمی ہیں، ہمیں مختلف جائز معاشی پیشوں میں اب مشغول کردیا گیا ہے، اس حکومت کے ہم بہت ممنون ہیں۔''

کچھ ایسا یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس اعرابی سے شاید یہ بھی پوچھا کہ صدیوں کی پڑی ہوئی بری عادتوں کے ازالہ میں آخر سعودی حکومت کامیاب کیسے ہوئی؟ جواب میں شاید اس نے ''إثخان في الأرض'' کی تدبیر کا حوالہ دیا، جہاں جہاں ان لٹیروں کے اڈے تھے، بے دردی کے ساتھ وہاں خونریزی کی گئی، چور دھرم کی کہانی نہیں سنتے ان کے لئے تو بجائے دھرم کے دھرپ ہی کی ضرورت ہوتی ہے، حکومتوں کا بھاشنی طریقہ نہ پہلے کامیاب ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوسکتا ہے۔

یہ میری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں کہ ترکی شریفی عہد میں حج کرنے والے پیش روؤں سے حرائیوں (عربی رہ زنوں) کے جو مہیب قصے ہم نے سنے تھے، ان کا کہیں نام ونشان بھی اس پورے راستے میں نظر نہ آیا، تن تنہا سر پر چھتری لگائے پیدل سفرِ حج کرنے والوں پر لاری سے نظر پڑی، وہ بڑے اطمینان سے جارہے تھے، کسی منزل میں ہمارے ساتھیوں کی کوئی چیز غائب نہ ہوئی، دوسروں سے تو ایسے قصے بھی سننے میں آئے کہ چھوٹا ہو یا بڑا، گمشدہ مال ان تک پہنچادیا گیا، حکومت کے کارندے اس معاملے میں بڑی ہوشیاری اور ذمہ داری سے کام کررہے تھے، جس منزل میں بھی اترنے اور کچھ دیر قیام کرنے کا موقعہ ملا، وہاں نشست وبرخاست، اٹھنے بیٹھنے، لیٹنے پوٹنے کا کافی انتظام تھا، اس وادئ غیر ذی زرع کے ان خس پوش جھونپڑوں کے اندر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ تنوری روٹیوں کی تھاک اپنے سامنے جمائے ہوئے فول کی ترکاری یا گوشت کے ساتھ کھانے والے کھارہے ہیں، جن میں ادنیٰ درجے کے حمال (شتربان) اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بار برداری کے کام کرنے والے مزدور بھی تھے۔ ''الرزاق ذوالقوۃ المتین'' کی رزاقیت کی تجلیاں ان اجاڑ سنگستانوں میں قدم قدم پر چمک رہی تھیں اور بصیرت کی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھیں، واقعہ یہ ہے کہ ہند کے مرغزاروں میں بھی ''رزاقیت'' کی یہ شان اتنی نمایاں نہ تھی، جتنی عرب کی ان چٹیل وادیوں میں دیکھی جارہی تھی، وہی طبقہ جو ہندوستان میں ستو یا بھنے چنوں پر مل وغیرہ کے سوا کچھ نہیں پاتا عرب میں اسی طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کو روٹیاں بھی بافراط میسر آرہی تھیں اور فول کی ترکاری، میں بلا مبالغہ یہ عرض کررہا ہوں کہ ایک انچ سے کم گھی اس پر تیرتا ہوا نہیں دکھائی دیتا تھا۔

پانی بھی ہر جگہ ملتا جاتا تھا، مگر گوارائی کی کیفیت دور تک عرب کے پانی میں محسوس نہ ہوئی، شربہ کے نام سے صراحیاں پیش ہوتی تھیں، دام ادا کرکے لوگ پیتے تھے، وضو کرتے تھے، کہیں کہیں ''حب حب'' کے شور سے منزل گونج اٹھتی، یہ تربوز کا جدید عربی نام تھا۔ مراد لاور (ڈرائیور) یا سواگ (سواق) ایک مصری مسلمان تھا، عربی مکالمہ کی وجہ سے مجھے یا استاد کہتا اور مسافروں سے کچھ کہنا سننا ہوتا، تو مری طرف رجوع کرتا۔

باوجود بے ہوشی کے اپنے ہوش کا ایک قصہ بھی سنا دوں، لاری ایک ہی تھی، ۲۱ آدمیوں کے سوا بھی کچھ دوسرے لوگ اس میں گھسائے گئے تھے، چند آدمی یمن کے تھے اور ایک صاحب پنجاب کے، جگہ میں قدرۃً غیر معمولی تنگی پیدا ہوئی، فقیر نے عرض کیا کہ آپ لوگ اپنی اپنی نشست پر بیٹھ جائیے، میری پرواہ نہ کیجئے، میں اپنی جگہ نکال لوں گا، اطراف کی نشست گاہوں پر سب بیٹھ گئے، بیچ میں جو خلا باقی تھا اس میں بسترے وغیرہ ٹھونس دیئے گئے، دیوانے نے عرض کیا کہ بس اسی خلا میں اپنے لئے خلا پیدا کرتا ہوں، چند بستروں کی وجہ سے کافی گداز گدے کی کیفیت اس میں پیدا ہوگئی تھی، بندہ اسی پر بیٹھ گیا، جس کے لئے لاری میں کوئی مستقل جگہ نہ تھی، اب ایک ایسی جگہ پر قابض تھا کہ گویا بڑے موٹے گدے پر بیٹھا ہوا ہے، جی چاہتا تو اسی پر لیٹ بھی جاتا، بعضوں نے چاہا کہ مستقل جگہ جس پر وہ قابض ہوچکے تھے اس سے اس غیر مستقل جگہ کو بدلیں، لیکن ''سبقك بها عكاشة'' اور ''مني مناخ من سبق'' کے اصول پر انکار کردیا گیا۔

راستہ میں ایک دو جگہ خفیف سی ناگواریوں کے واقعات بھی شاید پیش آئے جو یاد نہیں رہے اور نہ ان کو یاد رکھنا چاہئے، شاید بیر حسانی جو غالباً میدان بدر ہی کے قریب کوئی منزل ہے، وہاں تک تو سنگستان اور کبھی کبھی ریگستان سے گزرتے رہے، مگر یہاں سے گزرنے کے بعد اب نہیں کہہ سکتا کہ کتنی دیر بعد اچانک گردونواح میں تدریجی طور پر تبدیلی محسوس ہوئی، پہلے ایسے میدانی علاقے مل رہے تھے، جن کی چاروں طرف خشک چٹیل پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں، مگر عجب پہاڑیاں ہیں، عقیدت کی آنکھوں کے سوا بھی ان سے معلوم ہوتا تھا کہ نور ابل رہا ہے، پہاڑوں کے درمیان رہنے کا عادی زمانہ سے ہوں، خصوصاً دکن کے قیام کے بعد تو ہم بھی ایک قسم کے پہاڑی آدمی بن کے رہ گئے تھے، راجپوتانے میں بھی آٹھ دس سال پہاڑوں ہی میں گزرے تھے لیکن وادیٔ غیر ذی زرع کی ان چٹیل پہاڑیوں کا رنگ ہی نرالا تھا، پھر اسی کے ساتھ حدیثوں کے وہ سارے مقامات اور ان کے ارتسامات دماغ میں ابھرتے چلے جاتے تھے، جن کا عرب کے اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوہستانی علاقہ سے تعلق ہے، محسوس ہوتا کہ شاید اسی پہاڑی پر گورخر کی وہ ٹولیاں حضرت ابوقتادہ انصاری کو نظر آتی ہوں گی، جن کا پیچھا کر کے نیزے سے ایک گورخر کا شکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ران چھپالی تھی، یہ اور اسی قسم کے بیسیوں واقعات تحت الشعور سے نکل نکل کر شعور کی سطح پر مسلسل تیرتے ابھرتے اور ڈوبتے۔

ہاں! تو اچانک رت بدل گئی، بجائے دور کے پہاڑ کچھ زیادہ قریب نظر آنے لگے اور چٹیل میدانوں کی جگہ اب ایسی وادیاں سامنے آرہی تھیں، جن میں بڑے بڑے تناور درختوں کا پھر بھی پتہ نہ تھا، لیکن باریک باریک پتیوں والے مغیلانی قسم کے چھوٹے چھوٹے درخت اور ادھر ادھر گھاس بھی نظر آنے لگی، جن میں بھیڑوں اور مینڈھوں، بکریوں کے گلے چرتے دکھائی دیتے تھے، چرانے والی عموماً ان کی عورتیں تھیں، جن کا لباس سیاہ تھا اور سر سے پاؤں تک کپڑوں میں ہر ایک کا جسم مکمل طور پر ڈھکا ہوا تھا، بعض مقامات پر بعض معمر اور ادھیڑ عمر کی عورتیں انڈوں کے ساتھ بھی لاری کے سامنے بیچنے کے لئے کھڑی ہو جاتیں، ان کا لباس بھی مکمل تھا، عرب کی غربت وافلاس کے عام چرچوں کے مقابلے میں صحرائی اور بیابانی باشندوں کی غذائی اور لباسی نوعیت کے متعلق میرے یہ مشاہدے باعث حیرت بنے ہوئے تھے، اگرچہ بعض آبادیوں اور منزلوں میں جہاں لاری کسی وجہ سے ٹھہر جاتی یہ تماشا بھی دیکھنا پڑتا کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں لاری کو گھیر کر یا الحاج، بخشیش هات مافی الکیس یعنی "حاجی بخشش عطا کرو، تمہاری جیب میں جو کچھ ہے اسے حوالہ کردو"۔ ایک خاص نغمہ کے ساتھ گاتے اور لاری کا پیچھا بھی کرتے، لیکن بجائے غربت کے زیادہ تر بچوں کے اس عام طریقہ کار میں مجھے عادت کی تاثیری کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ لاری اسی حال میں بڑھتی چلی جارہی تھی، پہاڑیاں قریب سے قریب تر چلی آتی تھیں، اب قرب کا نتیجہ تھا یا واقعہ بھی یہی تھا کہ بلندیاں بھی ان پہاڑیوں کی ترقی پذیر تھیں، تاآنکہ اونچے اونچے بلند پہاڑوں کے دروں میں لاری داخل ہوئی، کہیں کہیں چٹانوں پر تیتر جیسے جانور بھی نظر آئے، خیال گزرا کہ "قطا" شاید یہی ہے جس کا ذکر کتابوں میں کیا گیا ہے، کہیں کہیں جنگلی کبوتر کے جوڑے بھی دکھائی دیئے۔

بیس سال سے زیادہ مدت سفر پر گزر چکی ہے اور مولانا عبدالماجد کی "سفرنامہ حجاز" نامی کتاب بھی سامنے نہیں ہے، اس لئے مقامات کے نام اور ان کی ترتیب مکانی بھی صحیح طور پر یاد نہیں ہے، اتنا خیال آتا ہے کہ "مسیجد" نامی منزل جہاں سعودی شرطہ کا مستقر (پولیس اسٹیشن) بھی تھا اس منزل تک پہنچنے کے بعد اپنے آپ کو ہم لوگوں نے سبزہ زاروں کے درمیان پایا۔ پہاڑی بھی کلیتہً تک کسی قسم کی تبدیل محسوس نہ ہوئی کہ اچانک وہاں پہلی دفعہ ایسا پانی پینے کے لئے ملا کہ آج تک اس کی لذت اور خنکی کا خیال مسرت بخش ہے، وہاں کچھ کھجور بھی ملے، جو کافی لذیذ تھے، حالانکہ بدقسمتی سے تازہ کھجوروں کا یہ موسم نہ تھا، اس موسم کی آرزو ہی دل میں رہ گئی۔

مگر یہ سب کچھ باہر میں ہو رہا تھا، اندر کس حال میں تھا، الفاظ اس کے اظہار سے قاصر ہیں، "رابغ" جس کا قدیم نام "جحفہ" تھا، اس منزل کی وہ بات دماغ سے نہیں نکلتی، تھوڑی دیر کے لئے یہاں بھی لاری ٹھہرائی گئی تھی، لوگ اترا کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دھر اُدھر ٹہلنے لگے، اس فقیر نے ان جھونپڑوں کے پیچھے اس وقت ایک کافی معمر سفید ریش بزرگ کو اس حال میں پایا کہ دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر وجد کے عالم میں کچھ اس قسم کے احساس کا اظہار فرمارہے ہیں کہ

کہاں میں اور کہاں رابغ کی منزل   کہاں سے کس جگہ لایا گیا ہوں

وہ استغراق کے حال میں جھوم رہے تھے، دل سے باتیں کررہے تھے، میری آہٹ پاکر سمٹ گئے، ان کا یہ حال تو دیکھا گیا، ورنہ سچ پوچھئے تو قافلہ کے اکثر و بیشتر رفقاء کے باطن کا حال یہی تھا، دنیا کی تمام نعمتوں میں جن دو نعمتوں کو بعض دیدہ وروں نے سب سے بڑی نعمتیں قرار دیا ہے، آج ان ہی دو نعمتوں میں ایک نعمت یعنی "وجود مبارک محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بصفت حیات در مدینہ موجود ست۔"

ان کے آغوش میں آرہی تھی، جنہوں نے نہیں مانا ہے ان جھٹلانے والوں سے تو بحث ہی نہیں، مگر جو مان چکے ہیں وہ بہر حال یہی یقین رکھتے ہیں اور یہی یقین ان میں پیدا کیا گیا ہے کہ ذائقۃ الموت کی منزل سے گزرنے کے باوجود الموت کا اثر صرف اسی قدر ہے کہ اکل و شرب جیسی جسمانی ضرورتوں سے بے نیاز ہوکر "الرفیق الاعلیٰ" کی زندگی پیغمبر گزار رہے ہیں اور پیغمبر تو خیر پیغمبر ہی ہیں، الموت کا یہ مطلب کہ احساسات سے مرنے والے محروم ہوجاتے ہیں، یہ ان لوگوں کا خیال ہے جن کو موت کے چکھنے کا تجربہ نہیں ہوا ہے، تجربے کے بغیر بے جانے اپنے ایک ایسا فیصلہ رکھتے ہیں جس کی بنیاد قطعاً کسی علم پر نہیں بلکہ جہل اور صرف جہل پر قائم ہے، قرآن میں شاید اسی قسم کے غلط غیر استحقاقی فیصلہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اپنے احساسات کو زندہ پاتے ہوئے وہ آرزو کریں گے کہ

"کاش! میں (جیسا کہ سوچا کرتا تھا) خاک ہوتا (یعنی احساسات سے مرنے کے بعد محروم ہوجاتا)"

بہر حال جو پیغمبر نہیں ہیں جب موت ان کو بھی تراب یا خاک بنا کر نہیں چھوڑ دیتی تو نبوت و رسالت کے عالی مقامات سے جو سرفراز ہیں، ان کے متعلق جو یہ سوچتے ہیں کہ "خاک کے ڈھیر" کے سوا ان کی قبروں میں بھی کچھ نہیں ہوتا، ان کی سمجھ پر خاک پڑ گئی ہے، اس کے سوا اور کیا کہا جائے؟...... عام مسلمانوں کے قبور پر ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کو سلام کریں اور ان سے اس قسم کی باتیں کریں کہ "آپ ہم سے پہلے چلے گئے، ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں، اللہ آپ کی کمزوریوں سے درگزر فرمائے، وغیرہ وغیرہ" تو کوئی وجہ ہوسکتی ہے کہ جس پیغمبر کو قرآن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ "میری آیتوں کے ماننے والے تمہارے پاس جب آئیں، تو ان کو 'سلام علیکم' کہو اور آگاہ کردو کہ نادانی کی وجہ سے برائی کا ارتکاب جس نے کیا ہے لیکن پھر اس کے بعد پلٹ گیا اور سنور گیا، تو حق تعالیٰ غفور الرحیم ہیں۔" قرآن کے اس نص قطعی کی یافت کے بعد کوئی وجہ ہوسکتی ہے کہ ہم سلام کی اس دعا کو حاصل کرنے کے لئے وہاں حاضر نہ ہوں جہاں حاضر ہونے والوں کو السلام علیکم کہنے کے لئے پیغمبر اپنے خدا کی طرف سے مامور ہوا؟ کچھ بھی ہو، نہ ماننے والے جو چاہیں کہیں، جو کچھ جی میں آئے خیالات پکائیں، مگر ہم تو یہی جانتے ہیں کہ عہد نبوت ہی میں وفات سے پہلے قرآن میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعلان کر دیا گیا تھا کہ پیغمبر کی موت کو عام لوگوں کی موت پر قیاس نہ کرنا چاہئے، حکم دے دیا گیا تھا کہ ان کے ازواج سے وفات کے بعد نکاح کا ارادہ کوئی نہ کرے، یہ بھی بتلا دیا گیا تھا کہ پیغمبر کے متروکہ میں وراثت جاری نہ ہوگی، وفات کے بعد بھی دیکھا جاتا تھا کہ مسجد نبوی کے پڑوس والے دیوار میں کھونٹی ٹھوکتے تو صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہلا بھیجتیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ دو''، مسجد نبوی میں زور سے گفتگو کرنے والوں کو ٹوکا جاتا اور یہ کہتے ہوئے ٹوکا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایسا کرتے ہو، خیر میں مدرسہ کے کن جھگڑوں میں پھنس گیا جن میں پھنس جانے کے بعد بسا اوقات بدیہی سے بدیہی مسائل بھی نظری بن جاتے ہیں۔

قافلہ بیر درویش کے بعد قریب قریب اپنے اوسان کھو چکا تھا، فاصلہ ختم ہو رہا تھا، زندگی کی آرزو، سب سے بڑی آرزو ایمان والوں کی پوری ہو رہی تھی، یا قریب تھا کہ پوری ہو، اپنے آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ ہر ایک کھوتا چلا جا رہا ہے، اچانک اسی حال میں ''مدینۃ النبی'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سواق (ڈرائیور) کی زبان سے نکلی، کلیجے نکل پڑے، جانیں قلب کو معلوم ہو رہا تھا کہ چھوڑ دیں گی، بیس سال پہلے کان میں یہ آواز آئی تھی، لیکن اس کی گونج آج بھی تر و تازہ ہے۔

ہم میں ہر ایک دوسرے کو شاید بھول گیا۔ ''مدینۃ النبی'' (نبی کا شہر) اس کے سوا نہ اندر ہی میں کچھ باقی تھا اور نہ باہر میں، لاری تیزی کے ساتھ گزرتی جا رہی تھی، یہ باہر میں ہو رہا تھا اور اندر میں جذبات کا طوفان تھا، جو ابل رہا تھا، اوروں کا حال معلوم نہیں لیکن اپنے اس احساس کو کیسے چھپاؤں، ویسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بلال آرہے ہیں، یہ ابوذر جا رہے ہیں، یہ فاروق اعظم ہیں، ادھر حضرت صدیق ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔

میں جانتا ہوں کہ یہ دماغی اختلال ہی کا نتیجہ ہوگا مگر مبارک تھا وہ دماغی اختلال جس میں مبتلا ہونے والے کے کان میں گزرتی ہوئی لاری میں آواز آئی ''السلام علیکم مولوی صاحب!'' حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کے میزبان ایسا معلوم ہوا کہ کہتے ہوئے گزر گئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جنون کی ایسی باتوں کا کہاں تک تذکرہ کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ باب العنبر یہ کب آیا، لاری سے لوگ کس وقت اترے، کیسے اترے، گھوڑے کی گاڑی، عرابہ میں کب سوار ہوئے، ہوئے تو یہ سارے واقعات، ہم چل بھی رہے تھے، پھر بھی رہے تھے، لیکن جسم چلتا تھا، ٹانگیں پھر رہی تھیں مگر ان کا چلانے والا حاسہ غائب تھا۔

شاید سیدنا حضرت مولانا حسین احمد المدنیؒ کے برادر محترم حضرت مولانا سید احمد رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدینہ ''باب عنبریہ'' (جو مدینہ منورہ کا مرحوم حجاز ریلوے کا اسٹیشن تھا) وہاں تک تشریف لائے تھے، ان کو اطلاع دے دی گئی تھی اور ایک قدیم مدنی دوست لطفی صاحب مرحوم بھی اپنے خوبصورت شامی چہرے کے ساتھ دیوانوں کو لینے کے لئے اس مقام تک آئے تھے۔

''ولے بر بندش'' کی شکل میں النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں پہنچا دیئے گئے، لکھا پڑھا سب غائب ہو چکا تھا، جس نے جو کچھ کہا وہی کرتے جاتے تھے، غسل کا حکم دیا گیا، کپڑے بدلوائے گئے اور اب ایک سیاہ کار، سیاہ بخت، سیاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل، مطلق تاریکی صرف سیاہی کو گھسیٹتے ہوئے اس دربار کی طرف لوگ جا رہے تھے، جس دربار تک رسائی کا خیال بھی اس سراسر اثم و گندگی کے لئے ناقابل برداشت تھا، آج وہی گھسیٹا جا رہا تھا اور لایا جا رہا تھا، بیعت کے بعد عہد کا توڑنے والا مجرم اپنے آقا کے آستانے کی طرف دھکیلا جا رہا تھا، بس اتنا ہوش تھا کہ ہوش باقی نہیں رہا ہے، معلم یا مزدور کے نام سے کوئی صاحب تھے، ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، وہ کچھ کہتے جاتے تھے آنسوؤں کی موسلا دھار بارش سے بند آنکھوں نے اس کا موقعہ باقی نہ رکھا تھا کہ کہاں ہوں، آگے کیا ہے کی خبر ہو، کان میں معلم کے فقرے اور وہ بھی نہیں معلوم پورے آتے بھی تھے یا نہیں مگر زبان ان ہی فقروں کو دہرا رہی تھی، معلم کہتے تھے کہ ''سلام پڑھو'' کن کو سلام کروں، آنکھوں میں اس کی قوت بھی باقی رہی ہے جو کسی طرف اٹھے، چیخ تھی پکار تھی، گریہ تھا، بکاء تھا، بے ہوشی تھی، بدحواسی تھی، کیا عہد کیا تھا عہد کرنے والے نے مگر کیا کیا۔

چہ گو نہ سرز خجالت برادرم بردوست ۔۔۔۔ کہ خدمتے بسزا برنیا مداز دستم

حجاب، شرم، ندامت ''اے اللہ کے رسول! اے عالمین کی رحمت! ڈھانک لے اس کی سیاہیوں کو جس میں سیاہی اور تاریکی کے سوا کچھ نہیں ہے، ہوں سیاہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں، کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا''

نماز کا وقت بھی شاید قریب تھا، سب جہاں کھڑے ہوئے، وہیں ہوش باختہ بھی کھڑا تھا، یہ کیا ہوا؟ میں کہاں لایا گیا؟ کلیجہ پھٹ جائے گا، روح نکل جائے گی، ہم کس حال میں آئے، کیا ساتھ لائے، صرف پاپ، صرف گندگی، صرف آلودگی، سب باہر ہوئے، ان کے ساتھ باہر ہوئے، آتے تھے جاتے تھے، لیکن چوبیس گھنٹوں تک کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں آ رہے ہیں کہاں جا رہے ہیں، نمازیں بھی ہوتی تھیں، کھانا بھی کھایا جاتا تھا، شاید ملنے والوں سے کچھ باتیں بھی ہوتی تھیں، لیکن چوبیس گھنٹوں تک، کرنے والے کو خود اپنے ان کاموں کا صحیح احساس نہ تھا، سب کرتے تھے وہ بھی کرتا تھا۔

مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، سکینت کا نزول قلب پر شروع ہوا، خود تو کیا پیدا ہوتی، مگر ہمت پیدا کرائی گئی اور اب آنکھ کھلی، ہم کھجور کے تنوں پر کھڑی ہوئی اس مسجد کو ڈھونڈ رہے تھے جس کی چھونی کھجور کے پتوں اور شاخوں سے کی گئی تھی، جہاں کے رسول غریبوں کے ملجا، یتیموں کے ماویٰ کا دولت خانہ وہ کہاں ہے جس کے چھپر سے کھڑے ہونے والا سر چھوا جاتا تھا، جس کی دیوار کھجور کی چھڑیوں پر مٹی لپیٹ کر بنائی گئی تھی، ابوایوب انصاری کا وہ مکان کہاں ہے جو ہجرت کے بعد پہلی فرودگاہ اس آبادی میں تھی، ڈھونڈھتا تھا، اس کی گلیوں میں حسن کو، حسین کو، سیدالشہداء حمزہ کو، امہات المومنین صدیقہ عائشہ، حفصہ، میمونہ، صفیہ (رضی اللہ عنہن) اپنی ماؤں کے محل سراؤں کو، اور ام حرام بنت ملحان کو، ابوہریرہ اور ابن عمر، ابن مسعود کو، ابوسعید خدری کو، انس بن مالک (رضی اللہ عنہم) کو اور کیا کیا بتاؤں کہ کن کن کو، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے گھروں کو، مگر نہ وہ مسجد ہی تھی اور نہ وہ مکانات، نہ ان کے رہنے والے، معلوم ہوا کہ انصاری صحابیوں کا کوئی خاندان اب مدینہ میں نہیں پایا جاتا، نہ انصاریوں ہی کا کوئی خاندان تھا اور نہ مہاجرین کا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمانہ تیرہ سو سال آگے نکل چکا تھا، عبدالمجید خلیفہ ترک کی بنائی ہوئی ایک شاندار مسجد کا نام اب مسجد نبوی ہے، دیکھا کہ قدم قدم پر طلائی حروف میں بہترین کتبے مسجد کی دیوار پر ثبت ہیں، سنا کہ اب تو کچھ بھی نہیں ہے، شریف حجاز کی بغاوت کے زمانہ میں جواہرات کا جو ذخیرہ تھا اسے ترک ساتھ لے گئے، وہی چیزیں رہ گئی ہیں جنہیں نہیں لے جاسکتے تھے، جن میں ان ہی کے عہد کا قائم کیا ہوا ایک فرسودہ ڈائنامو (برقی چرخ) بھی تھا، جس سے تھوڑی بہت روشنی مسجد نبوی کے لئے مہیا ہوتی تھی، کسی صاحب دل نے یہ بھی کہا کہ ترکوں کی ان اولوالعزمیوں نے جو مدینہ قدیم کو مدینہ جدید بنانے کے لئے کر رہے تھے، ان غریبوں کو یہاں سے نکلوادیا، انہوں نے مسجد نبوی کے اطراف کے مکانوں کو لے کر ارادہ کیا تھا کہ ایک اپ ٹو ڈیٹ گارڈن (عصری باغ) اس کے اردگرد بنادیا جائے، حجاز ریلوے کے کھل جانے کے بعد شام سے مدینہ ایسی چیزیں دساور ہونے لگیں، جو یہاں سے نکلنے کے تیرہ سو سال بعد یہاں واپس ہوئی تھیں۔

جدید نوعیت کا ایک رستوران دارالمسرت نامی جس سے وہ سب کچھ ملنے لگا تھا، جو شام کے انگوروں سے تیار ہوتا تھا، باب العنبر یہ کے قریب حجاز ریلوے اسٹیشن کے سامنے ''مدینہ یونیورسٹی'' کی داغ بیل بھی پڑ چکی تھی، دیواریں یونیورسٹی کی عمارت کی کچھ اوپر بھی آچکی تھیں کہ مدینہ منورہ کے تین رجفوں (زلزلوں) میں سے ایک رجفہ آیا، جنگ عظیم جرمنی کے ملک سے شروع ہوئی اور اثر اس کا حجاز کے اس شہر پر پڑا جسے ترک ایک یورپین شہر کا قالب عطا کرنا چاہتے تھے، ایک لاکھ بیس ہزار کی آبادی اس رجفہ کے بعد اس زمانہ میں پندرہ بیس ہزار تک گر کر پہنچ چکی تھی اور یہ قصہ تو بعد کا ہے ورنہ حرم فروش شیخ حرم کے زمانہ میں تو گنتی یا گنتی کے چند نفوس کے سوا مدینہ منورہ میں کوئی باقی نہ رہا تھا، بڑا ہی زہرگداز عبرت آموز منظر تھا کہ یونیورسٹی بننے والی عمارت مدینہ والوں کا ''حش'' بنا ہوا تھا اور چھ سو میل لمبی لائن پر چلنے والی ریل گاڑی کے ڈبے اسی باب العنبر یہ کے آس پاس مرے ہوئے بھینسوں کی لاشوں کی طرح پڑے ہوئے تھے، الحمدللہ کہ ''سکینت'' کے یہ ایام ایک مہینہ سے زیادہ میسر آئے۔

کام دل حاصل دایام بکام است امروز　　چشم بر روئے نگار لب بجام است امروز

اوروں کا حال معلوم نہیں مگر جو دیوانہ تھا وہ اسی نئے مدینہ میں پرانے مدینہ کو تلاش کرتا رہتا تھا، یہ نئے مدینہ کے آباد کاروں سے بھی ملتا جلتا تھا وہ بڑے اچھے لوگ تھے، عموماً دعوتیں کرتے تھے، مگر اپنا دل اس نئی آبادی میں پرانے مدینہ کے پرانے باشندوں کو ڈھونڈھتا تھا، اتفاقاً مدینہ کے ایک مورخ بھی مہربان ہوگئے، حکمت عارف کے کتب خانے کے مہتمم صاحب، جدید مدینہ سے زیادہ ان کی دلچسپیوں کا محور بھی قدیم مدینہ ہی تھا، ان کے طفیل میں سقیفہ بنی ساعدہ، بیر بضاعہ، العوالی بنی نضیر و بنی قریظہ، کی گڑھیوں کے آثار اور اسی قسم کے بیسیوں مقامات کا پتہ چلا۔

.................(جاری ہے)..................

© rasailojaraid.com